وفا راشدی

اقبال کا نظریۂ زندگی

اقبال شاعرِ حیات ہیں ۔ ان کا سارا کلام قرآن اور حدیث کا ترجمان ہے ۔ ان کے اشعار محض سننے اور سر دھننے کے لیے نہیں بلکہ بار بار پڑھنے اور سمجھنے کے لیے ہیں ۔ اقبال وہ شاعرِ ملت ہیں جنھوں نے اپنے افکارِ جمیل کو اسلامی تعلیمات اور زندگی آمیز و زندگی آموز پیغامات کے لیے وقف کر دیا ۔ اقبال نے ہمیں ''یقینِ محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتحِ عالم'' کے ساتھ ساتھ ''جاوداں ، پیہم دواں ، ہر دم جواں ہے زندگی'' کی حقیقت سے روشناس کیا ۔ کائنات اور فطرت کے ذرے ذرے میں زندگی کا جو راز پوشیدہ ہے اسے اُنھوں نے آشکار کیا :

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات
یہ کبھی گوہر ، کبھی شبنم ، کبھی آنسو ہوا[1]

اقبال نے شاعرانہ الفاظ اور فلسفیانہ انداز میں خدا اور کائنات سے لے کر خودی اور خود شناسی تک کے تمام راز بیان کر دیے ۔ حیات اور کائنات کیا ہیں ؟ بزمِ قدرت و مناظرِ فطرت کیا ہیں ؟ خالق و مخلوق کی اصلیت و ماہیت کیا ہے ؟ ان تمام فلسفوں کو اقبال نے اپنی شاعری میں سمو دیا ۔ علامہ ڈاکٹر نکلسن کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

''حیات تمام و کمال انفرادی حیثیت رکھتی ہے ۔ ہر موجود میں

۱- ''کلیاتِ اقبال (اُردو)'' ، ''بانگِ درا'' ، ص ۹۰ ۔

انفرادیت پائی جاتی ہے ۔ ایسی کوئی شے موجود نہیں جسے حیاتِ کلی کہ سکیں ۔ خود خدا بھی ایک فرد ہی ہے ، لیکن ایسا فرد جس کا عدیل و نظیر نہیں ۔ کائنات افراد کے مجموعے کا نام ہے ، مگر اس مجموعے میں جو نظم و ترتیب ہم دیکھتے ہیں وہ کامل دوام نہیں ۔ ہمارا قدم تاریخی طور پر بے نظمی اور انتشار سے نظم و ترتیب کی طرف بڑھ رہا ہے ، اور کائنات مراتبِ تکمیل طے کر رہی ہے ۔''[۲]

قدرت کے یہ جلوے اور فطرت کی یہ رنگینیاں و رعنائیاں جو ہمارے گرد و پیش ہیں کائنات کی تخلیق و تدوین میں مدد دیتی ہیں ۔ انسانی قدروں کا انحصار بزمِ دنیا کے حسن و کمال پر ہے ۔ منتہائے کمال پر پہنچنے کے لیے اپنی زندگی کو فنا کرنا اور خدا کی ذات میں جذب ہو جانا عین حیات ہے ، اور یہی مقصودِ تخلیقِ کائنات ہے ۔ اس کا تعلق انفرادیت سے بھی ہے اور اجتماعیت سے بھی ۔ حیات سے فرد ہے اور فرد سے پوری کائنات ارتقا پذیر ہے ، لیکن تسخیرِ کائنات خودی کے بغیر ممکن نہیں ۔ انا یا خودی وہ طاقت ہے جو خودی کو مخلوق سے اور مخلوق کو حیات سے ملا دیتی ہے ۔ اقبال کے نزدیک خودی کے بغیر زندگی حسن یعنی کمال سے بے گانہ رہتی ہے ۔ یہی وہ جوہر ہے جو انسان کو معراجِ حیات تک پہنچاتا ہے ۔ اقبال کی نظر میں خودی کی حفاظت اور خودی کی تعمیر سے خود شناسی اور خدا شناسی کے سربستہ راز منکشف ہوتے ہیں :

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا ، خدا کا ترجماں ہو جا

* * *

خودی میں ڈوب جا غافل ! یہ سرِ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا[۳]

خودی میں ڈوب کر ہی زندگی کا سراغ مل سکتا ہے :

۲۔ آر ۔ اے ۔ نکلسن ، مترجم ، ''اسرارِ خودی'' (*Secrets of the Self*) (لاہور : شیخ محمد اشرف ، ۱۹۷۲) ، پیش لفظ ، ص xvii ۔

۳۔ ''بانگِ درا'' ، ص ۲۷۳ ۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا ، نہ بن ، اپنا تو بن ![۴]

انسان کا حریم وجودِ خودی سے روشن ہے ۔ حیات کا سوز و ساز خودی ہی سے مکمل ہوتا ہے :

تری خودی سے ہے روشن ترا حریمِ وجود
حیات کیا ہے ؟ اسی کا سرورِ سوز و ثبات[۵]

خودی میں ڈوبنے سے اقبال کی کیا مراد ہے ؟ اس فلسفے کا تفصیلی جواب ''جاوید نامہ'' اور ''مثنوی پس چہ باید کرد'' کے مطالعے سے مل جاتا ہے ، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خودی ایک فن ہے اور یہ فن اہلِ فن کی صحبت سے حاصل ہو سکتا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ منزل تک پہنچنے کے لیے کسی مرشدِ کامل کی رہنمائی ضروری ہے ، صرف کتابوں کا علم کافی نہیں ۔ تکمیلِ حیات کے لیے بزرگوں اور اللہ والوں کی صحبت مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اقبال ''مثنوی پس چہ باید کرد'' میں ایک جگہ کہتے ہیں :

صحبت از علمِ کتابی خوشتر است   صحبتِ مردانِ حر آدم گر است[۶]

اقبال کے نزدیک خودی کی تشکیل اور حسن کا نکھار عشق کی سرمستی سے پیدا ہوتا ہے ۔ نفیس ، گرم اور سوزِ دل عشق کی شدت سے پروان چڑھتا ہے ۔ یہ کائنات ، یہ موجودات ، سب کچھ عشق کا کرشمہ ہے ۔ بقائے دوام کے لیے عشق میں فنا ہونا حیات کی تکمیل ہے ۔ عشق ہی وہ جذبہ ہے جس کی بدولت حیاتِ جاودانی نصیب ہوتی ہے اور یہ عشق ہی ہے جو انسان کو حیات کی بلند ترین ارتقائی منزلوں تک پہنچاتا ہے :

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات ، موت ہے اس پر حرام

* * *

۴۔ ''بالِ جبریل'' ، ص ۳۱ ۔
۵۔ ''ضربِ کلیم'' ، ص ۱۰۶ ۔
۶۔ ''کلیاتِ اقبال (فارسی)'' ، ''پس چہ باید کرد'' ، ص ۲۷ ۔

عشق دمِ جبرئیل[۴]، عشق دلِ مصطفیٰ[۶]
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام!

* * *

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات!
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات[۷]

ایک دفعہ علامہ اقبال نے ٹیگور کی شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے میاں بشیر احمد، ایڈیٹر ''ہمایوں''، سے فرمایا تھا: ''ٹیگور عملی آدمی ہے اور اس کی شاعری امن و خاموشی کا پیغام دیتی ہے۔ ادھر میری شاعری میں جد و جہد کا ذکر ہے لیکن میں عملی آدمی نہیں ہوں۔''

علامہ کے آخری فقرے سے کسی طرح بھی اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سچ ہے کہ شاعر کے لیے عامل ہونا ضروری نہیں، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شاعر پیغام بر بھی ہوتا ہے اور پیغام بر کا پیغام اس وقت تک بے اثر و بے کیف ہے جب تک اس کی اپنی زندگی پر عمل کا پرتو موجود نہ ہو۔ اقبال کی عظمت اس بات میں مضمر ہے کہ وہ پہلے ایک با عمل شخص ہیں اور بعد میں شاعر۔ صرف ان کا کلام قرآن و حدیث کی تفسیر نہیں بلکہ ان کا دل خود ضیائے توحید اور انوارِ ہدیٰ سے منوّر تھا۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ فکر و عمل سے عبارت ہے —— وہ زندگی جو اخلاق قدروں سے بھر پور اور سادگی، زہد و تقویٰ اور پاکیزگی سے معمور تھی۔

خدمتِ اسلام اقبال کی زندگی کا نصب العین تھی۔ ان کا نظریۂ زندگی اُس نظم سے واضح ہے جو اُنھوں نے سر عبدالقادر کے نام لکھی تھی۔ ان کی آرزوؤں کے نقوش ان اشعار میں دیکھیے:

اہلِ محفل کو دکھا دیں اثرِ صیقلِ عشق
سنگِ امروز کو آئینۂ فردا کر دیں

* * *

۷۔ ''بالِ جبریل''، ص ۹۴ - ۹۵ -

اسی چمن کو سبق آئینِ نمو کا دے کر
قطرۂ شبنمِ بے مایہ کو دریا کر دیں
• • •
شمع کی طرح جییں بزمِ گہِ عالم میں
خود جلیں ، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں[۸]

اللہ کی محبت و عبادت حقیقت شناسی کی پہلی کڑی ہے اور عشقِ رسولؐ اس کا آخری درجہ۔ اقبال اتباعِ رسول میں کچھ اس طرح فنا ہوگئے تھے کہ اگر ان کی کوئی تمنا تھی تو یہ تھی کہ آں حضرت صلی اللہ و آلہ علیہ وسلم کی سرزمینِ حجاز میں دم نکلے :

میں نے کہا کہ موت کے پردے میں ہے حیات
پوشیدہ جس طرح ہو حقیقت مجاز میں
• • •
اوروں کو دیں حضور یہ پیغامِ زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمینِ حجاز میں[۹]

سب جانتے ہیں کہ اقبال نے اپنی زندگی کو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے آئینے میں ڈھال دیا تھا۔ ان کی زندگی شروع سے آخر تک مسلسل جد و جہد اور عمل میں گزری۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ایک ایک بول میں رس ہے ، ایک ایک لفظ میں جادو ہے۔ خود انہی کے الفاظ ہیں :

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے[۱۰]

اقبال کا پیغام سراسر پیغامِ حیات ہے۔ ان کے ایک ایک حرف میں زندگی کی حرارت ہے۔ اُنھوں نے نظم "چاند اور تارے" میں فلسفہ زندگی کو اُجاگر کیا ہے۔ حرکت کو زندگی اور سکون کو موت قرار دیا ہے۔ یہ دنیا ایک رزم گاہ ہے ، میدانِ کارزار ہے۔ اس نظم میں اس موضوع پر ایک ڈرامائی انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں ایک تمثیلی کیفیت

۸- "بانگِ درا" ، ص ۱۳۲ -
۹- ایضاً ، ص ۱۹۸ - ۱۰- ایضاً ، ص ۱۹۹ -

ہے ، شعری تاثر ہے ۔ چاند ستاروں سے کہتا ہے :

جنبش سے ہے زندگی جہاں کی   یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
اس رہ میں مقام بے محل ہے   پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں !   جو ٹھہرے ذرا، کچل گئے ہیں[۱۱]

کائنات کی بنیاد حرکت اور عمل پر ہے ۔ انسان کی زندگی گردشِ پیہم ، فکرِ جستجو اور تڑپ کا نام ہے ۔ اندیشۂ سود و زیاں موت کی علامت ہے ۔ عملِ صالح کی بدولت حیاتِ جاوید حاصل ہوتی ہے ۔ اقبال کے اکثر و بیشتر اشعار اتنے ہمہ گیر ، معنی خیز اور مضمون آفریں ہیں کہ ان میں حیات و کائنات سے متعلق اہم سے اہم نکات ملتے ہیں ۔ ذیل میں چند اشعار نقل کیے گئے ہیں جن میں اقبال کا نظریۂ زندگی جامعیت و معنویت کے ساتھ پایا جاتا ہے ۔ پیہم فکر و عمل ، مسلسل جد و جہد ، ہمت و استقلال ، محنت و کاوش ، خود شناسی و خود اعتمادی کا کسی نہ کسی رخ سے پیغام ضرور ملتا ہے :

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی !
برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی !
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں ! ہر دم جواں ہے زندگی !
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی ![۱۲]

اقبال مسلمانانِ ہند کی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لانے اور ان کو دنیا کی ایک سربلند قوم کی حیثیت سے دیکھنے کے متمنی تھے ۔ خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ علامہ اقبال کا خواب آج حقیقت بن کر ہمارے سامنے ہے ۔

۱۱- ایضاً ، ص ۱۱۹ -   ۱۲- ایضاً ، ص ۲۵۸ -